

اسلام آباد میں تین دن!

تین دن اسلام آباد گزار کرات گئے لاہور پہنچا ہوں۔ موڑوے پر کہیں اتنی تیز بارش تھی کہ گاڑی روکنی پڑی تھی۔ کہیں بارش کے بالکل متضاد کافی ترش دھوپ۔ ٹکر کھار سے آگے لاہور تک موسم قدرے صاف تھا۔ ویسے دیکھا جائے تو انسان کی زندگی بھی بارش، دھوپ اور چھاؤں ہی پر مشتمل ہے۔ مگر انسان کیونکہ خصلت میں کھنکھنا ہٹ رکھتا ہے۔ لہذا کسی بھی موسم میں خوش نہیں بلکہ ہر موسم سے ناخوش اور ناشادر ہتا ہے۔ اسلام آباد کا سیاسی موسم بھی بالکل انسانی فطرت ہی کی طرح تھا۔ شور بے حد زیادہ، ابال اس سے بھی بالاتر اور خاموشی ندارد۔

اسلام آباد میں ہر طرح کے لوگوں سے ملاقات رہی۔ ہر طبقہ فکر سے بات چیت کا دور چلتا رہا۔ کچھ ذکر کر سکتا ہوں مگر اکثر معاملات کو زیر قلم کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اسلیے نہیں کہ کسی نے روکا ہے یا اس میں کسی طرح کی کوئی خفیہ چیز ہے۔ صرف اسلیے کہ کئی معاملات لکھنے کی ان لوگوں سے اجازت نہیں لی اور بغیر اجازت کے گفتگو کو کالم میں لکھ دانا مناسب نہیں۔ لازم ہے کہ چند ملنے والے احباب بہت اہم تھے اور دوسرے نسبتاً کم اہم۔ ویسے اہم اور غیر اہم کی تفریق سیاست میں بالکل ختم ہو چکی ہے۔ کبھی کبھی جس امر کو بالکل بھی توجہ کے قابل نہیں سمجھتے، وہ قیامت خیز لکھتی ہے۔ کبھی اہم ترین نکات بے وقت سے ہو جاتے ہیں۔ پہلی گزارش تو یہ کہ موجودہ سیاسی حکومت کو بجٹ پاس کروانے میں کسی قسم کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لوگ تجزیہ کی بنیاد پر یہ بات کہتے ہیں۔ میں مستند معلومات کی بنیاد پر گزارش کر رہا ہوں۔ اپوزیشن کے چندا کابرین، گلا پھاڑ پھاڑ کر قوم سے یہ فرمار ہے ہیں کہ بجٹ پاس نہیں ہونے دینگے۔ یہ صرف اور صرف لفاظی ہے۔ انہیں خود تھی طور پر معلوم ہے کہ حکومت کو بجٹ پاس کروانے کیلئے عدوی قوت حاصل ہے۔ اسکے باوجود، انکا بجٹ کو پاس نہ ہونے دینے کا بیانیہ صرف اور صرف سیاسی بساط پر اپنی اہمیت کو برقرار رکھنا ہے۔ یہ صرف اور صرف تقریبی مقابله ہے اور اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔

عرض کرنا چاہونگا کہ مولانا فضل الرحمن صاحب، موجودہ حالات میں ہر طرح سے اہم ہونے کیلئے ہاتھ پیرمار رہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ انکے نزدیک ترین سیاسی حليف بھی ان پر مکمل اعتماد کرنے کیلئے بالکل تیار نہیں۔ مولانا صاحب، اس وقت مکمل اضطراب میں ہیں۔ یہ تسلیم ہی کرنے کیلئے تیار نہیں کہ موجودہ سیاسی حالات میں انکی وہ سیاسی وقت نہیں جو عرصہ دراز سے چلی آرہی تھی۔ دراصل مولانا نے اپنا سیاسی اتحج خود برباد کیا ہے۔ انہوں نے ہر سیاسی اور غیر سیاسی فریق کو خوش کرنے کی جزوی محنت کی۔ اس میں سے ذاتی فائدہ دیکھنے کی اس قدر کوشش کی کہ ہر اہم ادارہ اور لوگ ان سے پرے ہٹنے لگے۔ اس امر کو وہ پچھلی حکومتوں میں اسلیے محسوس نہ کر پائے کہ پارلیمنٹ میں ہونے کی وجہ سے کافی اہمیت کے حامل تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ سیاسی قوتوں کی مجبوری تھی کہ انکو ساتھ رکھا جائے۔ مگر اس مرتبہ ایکشن میں ہارنے کے بعد سنبھل نہیں پار ہے۔ انکے تمام معاملات، تقاریر، الفاظ کا چنانہ اور بیانیہ کسی بھی سیاسی فریق کیلئے قابل قبول نہیں کہ حکومت کو گرادیا جائے یا گھر بھیج دیا جائے۔ اہم لوگ جانتے ہیں کہ اگر مولانا کا یہ بیانیہ کامیاب

ہو گیا تو ہر سیاسی جماعت کا مستقبل غیر محفوظ ہو جائیگا۔ اسیے عملی طور پر مولانا کامل طور پر تھا ہو چکے ہیں اور یہ بات انکے لیے جان لیوا ہے۔ انکی قیادت میں ہونے والی اے۔ پی۔ سی پر انکی سیاسی تہائی کے سائے پڑ رہے ہیں۔ اہم طبقے سمجھ چکے ہیں کہ اے۔ پی۔ سی کے رد عمل میں کچھ ایسی انہوںی ہو سکتی ہے، جس کا اس وقت اندازہ قدرے مشکل ہے مگر ناممکن ہرگز ہرگز نہیں۔ مولانا سمیت تمام دینی حلقوں کی عزت و تکریم کرتا ہوں۔ مگر اس وقت معروضی حالات میں مولانا صاحب غیر اہم ہوتے جا رہے ہیں۔ ڈیرہ اسماعیل خان کی زمین کی الٹمنٹ کے معاملات قدرے سنجیدہ رخ اختیار کر سکتے ہیں۔

آہستہ آہستہ عمران خان کی بطور وزیر اعظم، بیور و کریسی پر گرفت بڑھتی جا رہی ہے۔ پہلی بار محسوس کیا ہے کہ جو افسران محترم شہباز شریف کے ساتھ وابسطہ تھے، اب انکا نام لینے سے بھی جھگٹکتے ہیں۔ جو باجوہ، میاں صاحبان کے نام کی مالا چھپتے ہوئے تھکتے نہیں تھے۔ اب میاں صاحب سے کافی کترانے لگے ہیں۔ پرانی حکومت کا نام آئے تو خاموش ہو جاتے ہیں۔ یہ بہت بڑی تبدیلی ہے۔ مگر عرض کرتا چلوں کہ عمران خان کی حکومت سے، اکثریت کو کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ خان صاحب کے انتظامی احکامات کو ماننا ایک قانونی مجبوری ہے۔ مگر دل و جان سے ان پر عمل کرنا ایک دوسری بات۔ مجھے سرکاری معاملات میں دوسرارخ زیادہ نظر آیا ہے۔ تحریک انصاف آہستہ آہستہ بیور و کریسی کے ساتھ کام کرنا سیکھ رہی ہے اور بیور و کریسی بھی نئے گھوڑے سے بہت زیادہ ناخوش نظر نہیں آ رہی۔ ہاں، ایک اہم بات۔ پنجاب ہی سے تعلق رکھنے والے چند ریاضت افسران اسلام آباد میں غیر ضروری حد تک فعال ہیں۔ نام نہیں لکھنا چاہتا۔ شاہد کچھ عرصے بعد لکھ سکوں۔ یہ چند ریاضت افسرسی صورت میں غیر اہم ہونے کیلئے تیار نہیں۔ ان میں سے اکثریت ساٹھ سال کی عمر کے بعد، مسلم لیگ ن سے والیتگی کی بنیاد پر چار سے چھ سال انتہائی اہم پوسٹوں پر مزے کرتے رہے ہیں۔ اکثریت نے امریکہ کا گرین کارڈ حاصل کر رکھا ہے۔ یہ لوگ حد رجہ ڈبل گیم کر رہے ہیں۔ ایک طرف تو یہ ایشان کا نجات دہنده ثابت کرتے ہیں۔ مسلم لیگ ن کے کمپ میں یہ لوگ سابقہ حکومت کے سنہری دور کو یاد کر کے مسلسل آہیں بھرتے رہتے ہیں۔ مگر یہ پھر تحریک انصاف کے معتبر لوگوں میں بیٹھ کر عمران خان کی ایمانداری کے قصیدے پڑھنے شروع کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں سیاسی جماعتوں کی محاذ آرائی بڑھانے میں ایک عضر ضرور ہیں۔ مقصد صرف اور صرف اپنے لیے کوئی پُر کشش پوزیشن حاصل کرنا ہے۔ ایک ریاضت بیور و کریٹ تو اپنے آپکو عبوری وزیر اعظم تک تسلیم کروانے کی بھرپور کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ ان موصوف کو کم از کم بیس بر س سے جانتا ہوں۔ بلکہ پہچانتا ہوں۔ مگر اب انکی بے قراری دیکھی نہیں جاتی۔ وہ ہر اہم آدمی کے گھر کے باہر منڈلانے میں مصروف ہیں۔ بہر حال انسان اپنے عمل سے بڑا گردانا جاتا ہے۔ اپنے موجودہ یا سابقہ عہدوں سے نہیں۔

ایک عجیب سی بات محسوس کی ہے۔ مسلم لیگ ن کے نمائندوں کو اقتدار سے باہر رہنے کا تجربہ بہت کم ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ کبھی اقتدار سے باہر رہے ہی نہیں۔ کسی نہ کسی صورت یا کسی بھی جماعت سے مسلک ہو کر حکومتی مراعات حاصل کرتے رہے ہیں۔ مگر اب اچانک صورتحال بدل گئی ہے۔ انکی کیفیت ماہی بے آب کی ہے۔ یقین کیجئے۔ وہ اس قدر مشکل کیفیت میں ہیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ چھروں پر رو نفیں گم ہو چکی ہیں۔ غصے کی کیفیت حد رجہ زیادہ ہے۔ ایک ٹاک شو میں ن کے ایک سابقہ اہم سیاستدان کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔ حکومت

کے متعلق وہ جو کچھ فرمائے تھے جو کالم میں لکھنا نمکن ہے۔ ان سے دست بدستہ پوچھا کہ حضرت، آپ اتنے دکھی اور غصہ میں کیوں ہیں جواب تھا کہ ہمارا مینڈ بیٹ پوری کیا گیا ہے۔ ایکشن قطعاً غیر نہیں ہوئے۔ عرض کی کہ جناب، آپ کے محترم قائدین تو اسٹیلشنٹ کے سہارے کے بغیر کبھی ایک قدم نہیں چلے۔ انکو تو صوبائی سطح سے قومی سطح پرلانے والے پندتی والے ہیں۔ تو وہ موصوف فرمانے لگے کہ ان تو ہر ایکشن میرٹ پر جیت کر آتی ہے۔ اس سے آگے کوئی گفتگو کرنا بیکار تھی۔ دراصل مسلم لیگ ن کی قیادت صرف اس پارلیمنٹ کو درست مانتی ہے۔ جس میں اقتدارِ اعلیٰ میں صرف اور صرف ”شریف خاندان“ ہو۔ اگر خدا نا خواستہ ”آل شریف“ حکومت سے باہر ہو، تو وہ حکومت جعلی، غلط ہو اور ملک دشمن ہے۔ یاد ہے کہ محترم نواز شریف، 1988ء میں بینظیر کی حکومت کو سیکورٹی رسک گردانے تھے۔ دھڑلے سے فرماتے تھے کہ یہ ایسی اثاثے فروخت کر دینے گے۔ زرداری صاحب کو ”مسٹر ٹین پرسنٹ“ کا خطاب بھی محترم نواز شریف اور انکی ٹیم نے عطا کیا تھا۔ انہیں مسلسل بدنام اور عقوبت خانوں میں قید رکھنے کا کام ن کے اکابرین نے ہی کیا ہے۔ پیپلز پارٹی کا نظریاتی ورکر اگر موجود ہے، تو کبھی بھی، ماضی کے بدترین حریقوں کی قربت کو برداشت نہیں کریگا۔ اس کیفیت میں روز بروز اضافہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ مجاز آرائی کی راہ دراصل ن کی راہ ہے، ہی نہیں۔ اس سے انکے سیاسی مسائل میں حدود جہا اضافہ ہو سکتا ہے۔ گمان ہے کہ انکے سنجیدہ حلقے، اس صورتحال پر ٹھنڈے دل سے ضرور غور کریں گے۔ قطعاً عرض نہیں کر رہا کہ تحریک انصاف کی حکومت کیلئے ہر طرف ہر ای ہر ای۔ انکی مشکلات حدود جہا مہیب بھی ہیں اور قیامت خیز بھی۔ اگر اگلے دو تین برس میں وہ معاملات کو حل نہ کر سکے تو آنے والا وقت انکے لیے غیر معمولی طور پر کھٹکا ہو گا۔ ابھی تک عام لوگ انہیں ”مدت اور مہلت“ دینے کیلئے تیار ہیں۔ مگر صبر کا یہ پیمانہ کسی بھی وقت جھلک سکتا ہے جو موجودہ حکومت کیلئے نامناسب حالات پیدا کر سکتا ہے۔ بہر حال یہ تحریک انصاف کے اکابرین کی سیاسی سوچ بوجھ پر مخصر ہے کہ وہ مسائل کا کیا حل تلاش کرتے ہیں۔ تحریک انصاف کا اصل سیاسی امتحان پنجاب میں ہے۔ اس ذنگ کے لیے انکی کیا حکمت عملی ہے، یہ صحیح طریقے سے صرف وہی بتا سکتے ہیں۔

تحوڑی دیر کیلئے پارلیمنٹ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہی روایتی گہما گہمی اور وہی رونق بازار۔ بلکہ حدت بازار۔ وہی ہاتھ میں درخواستیں پکڑے سائیں اور انکا انتظار در انتظار۔ ویسے بجٹ سیشن کا ایک بہت بڑا فائدہ ہے۔ حلقے کے لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ وزیر، مشیر اور ایم ایم ایں اے صاحب، اسلام آباد میں رہنے کے پابند ہیں۔ لہذا، اپنے اپنے کام کروانے کیلئے انکی، دار الحکومت اور پارلیمنٹ پر یلغار بالکل درست ہے۔ اب کوئی بندہ یہ بہانہ نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے حلقے سے باہر ہے یا شہر سے دور ہے۔ بجٹ سیشن میں ایم ایں اے کا اسلام آباد میں رہنا لازم ہے۔ ویسے کئی ایسے بادشاہ لوگ بھی ہیں جو اسلام آباد آ کر بھی بجٹ سیشن کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ پارلیمنٹ کے کیفے ٹیریا میں بھی وہی گہما گہمی تھی جو عرصے سے دیکھ رہا ہو۔ ہاں ایک کونہ میں حسب معمول نفرت جاوید صاحب بھی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ایک ایسا انسان جس نے پوری زندگی ان ایوانوں میں گزار دی۔ جوان رازوں سے بھی آشنا ہے، جو کثر لوگ نہیں جانتے۔ بہر حال ہم دونوں ایک دوسرے کیلئے اجنبی ہیں۔ تین دن کے بعد لا ہور پہنچا ہوں۔ چند نئی کتابیں، پڑھنے کیلئے خرید کر لایا ہوں۔ ویسے کتابوں کے الفاظ کے شور سے بھی کبھی کبھی گھبرا جاتا ہوں۔ مگر پھر پرانی یادیں سینہ چیر نے لگتی ہیں۔ جائیں تو کہاں جائیں؟

راوِ منظر حیات